گنجینۂ گوہر

ظہورِ قدسی

چمنستانِ دہر میں بار ہا روح پرور بہاریں آچکی ہیں۔ چرخِ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزمِ عالم اس سروسامان سے سجائی کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئی ہیں۔

لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیرِ کہن سالِ دہر نے کروڑوں برس صرف کر دیئے، سیارگانِ فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے، چرخِ کہن مدتہائے دراز سے اسی صبحِ جاں نواز کے لئے لیل و نہار کی کروٹیں بدل رہا تھا، کارکنانِ قضا و قدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں، ابر و باد کی تردستیاں، عالمِ قدس کے انفاسِ پاک، توحیدِ ابراہیمؑ، جمالِ یوسفؑ، معجز طرازیِ موسیٰؑ، جاں نوازیِ مسیحؑ، سب اسی لئے تھے کہ یہ متاع ہائے گراں ارز شاہنشاہِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دربار میں کام آئیں گے۔

آج کی صبح وہی صبحِ جاں نواز، وہی ساعتِ ہمایوں، وہی دورِ فرخ فال ہے۔ اربابِ سیر اپنے محدود پیرایۂ بیان میں لکھتے ہیں کہ آج کی رات ایوانِ کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر گئے، آتش کدۂ فارس بجھ گیا، دریائے سادہ خشک ہو گیا، لیکن سچ یہ ہے کہ ایوانِ کسریٰ نہیں، بلکہ شانِ عجم، شوکتِ روم، اوجِ چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے، آتشِ فارس نہیں بلکہ جحیمِ شر آتش کدۂ کفر، آذر کدۂ گمرہی سرد ہو کر رہ گئے، صنم خانوں میں خاک اُڑنے لگی، بت کدے خاک میں مل گئے، شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا، نصرانیت کے اوراقِ خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے، توحید کا غلغلہ اُٹھا، چمنستانِ سعادت میں بہار آگئی، آفتابِ ہدایت کی شعاعیں ہر طرف پھیل گئیں، اخلاقِ انسانی کا آئینہ پرتوِ قدس سے چمک اُٹھا، یعنی یتیمِ عبداللہ، جگر گوشۂ آمنہ، شاہِ حرم، حکمرانِ عرب، فرماں روائے عالم، شہنشاہِ کونین عالمِ قدس سے عالمِ امکان میں تشریف فرمائے عزت و اجلال ہوا۔ اللھم صلی علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلّم۔

(شبلی)

کسبِ حلال

ایک دفعہ قبیلہ بنو عبس کے مشہور شاعر عنترہ کا یہ شعر حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو سنایا گیا ؎

ولقد ابیت علی الطوی و اظلہ
حتے انال بہ کریم الماکل

(ترجمہ) میں نے بہت سی راتیں محنت و مشقت میں بسر کی ہیں تاکہ میں اکلِ حلال کے قابل ہو سکوں۔

رسول اللہ اس شعر کو سن کر بے انتہا محظوظ ہوئے اور اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "کسی عرب کی تعریف نے میرے دل میں اس کا شوقِ ملاقات پیدا نہیں کیا۔ لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ اس شعر کے نگارندہ کے دیکھنے کو میرا دل بے اختیار چاہتا ہے۔"

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو عزت عنترہ کو بخشی اس کی وجہ ظاہر ہے۔ عنترہ کا شعر ایک صحت بخش زندگی کی جیتی جاگتی بولتی چالتی تصویر ہے۔ حلال کی کمائی میں انسان کو جو سختیاں اُٹھانی پڑتی ہیں، جو کڑیاں جھیلنی پڑتی ہیں ان کا نقش پردۂ خیال پر شاعر نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ کھینچا ہے۔

(مقالاتِ اقبالؔ)

جامعیّت

وہ تمام اشخاص جو کسی مذہب کے حلقۂ اطاعت میں داخل ہوں، ناممکن ہے کہ وہ کسی ایک ہی صنفِ انسانی سے متعلق ہوں۔ اس دنیا کی بنیاد ہی اختلافِ عمل پر ہے۔ باہمی تعاون اور مختلف پیشوں اور کاموں ہی کے ذریعہ سے یہ دنیا چل رہی ہے۔ اس میں بادشاہ یا رئیسِ جمہور اور حکام بھی ہیں اور محکوم مطیع اور فرمانبردار رعایا بھی، امن و امان کے قیام کے لئے قاضیوں اور ججوں کا ہونا بھی ضروری ہے اور فوجوں کے سپہ سالاروں اور افسروں کا بھی۔ غریب بھی ہیں اور دولتمند بھی۔ رات کے عابد و زاہد بھی ہیں اور دن کے سپاہی اور مجاہد بھی۔ اہل و عیال

بھی ہیں اور دوست احباب بھی۔ تاجر اور سوداگر بھی ہیں اور امام اور پیشوا بھی۔ غرض اس دنیا کا نظم ونسق ان مختلف اصناف کے وجود اور قیام ہی پر موقوف ہے اور ان تمام اصناف کو اپنی اپنی زندگی کے لئے عملی مجسمہ اور نمونہ کی ضرورت ہے۔ اسلام ان تمام انسانوں کو سُنّتِ نبویؐ کی اتباع کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ مختلف طبقات انسانی کے لئے اپنے پیغمبر کی عملی سیرت میں نمونے اور مثالیں رکھتا ہے جو ان میں سے ہر ایک کے لئے الگ الگ ہدایت کا چراغ بن سکتا ہے۔ اسلام کے صرف اسی نظریہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ پیغمبر اسلام کی سیرت میں جامعیت ہے۔ یعنی انسانوں کے ہر طبقہ اور صنف کے لئے اس کی سیرت پاک میں نصیحت پذیری اور عمل کے لئے درس اور سبق موجود ہیں۔ ایک حاکم کے لئے محکوم کی زندگی اور ایک محکوم کے لئے حاکم کی زندگی ایک دولت مند کے لئے غریب کی زندگی اور ایک غریب کے لئے دولت مند کی زندگی کامل مثال اور نمونہ نہیں بن سکتی اس لئے ضرورت ہے کہ عالمگیر اور دائمی پیغمبر کی زندگی ان تمام مختلف مناظر کے رنگ برنگ پھولوں کا گلدستہ ہو۔

اصناف انسانی کے بعد دوسری جامعیت خود ہر انسان کے مختلف لمحوں کے مختلف افعال کی ہے۔ ہم چلتے پھرتے بھی ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے بھی ہیں۔ کھاتے پیتے بھی ہیں۔ سوتے جاگتے بھی ہیں، ہنستے بھی ہیں اور روتے بھی ہیں۔ پہنتے بھی ہیں اور اتارتے بھی ہیں۔ نہاتے بھی ہیں۔ اور دھوتے بھی۔ لیتے بھی ہیں اور دیتے بھی۔ سیکھتے بھی ہیں اور سکھاتے بھی۔ مرتے بھی ہیں اور مارتے بھی ہیں۔ کھاتے بھی ہیں اور کھلاتے بھی۔ احسان لیتے ہیں اور کرتے بھی۔ اپنی جان دیتے بھی ہیں اور بچاتے بھی۔ عبادت و دعا بھی کرتے ہیں اور کاروبار بھی۔ مہمان بھی بنتے ہیں اور میزبان بھی۔ ہم کو ان تمام امور کے متعلق جو ہمارے مختلف افعال جسمانی سے تعلق رکھتے ہیں عملی نمونوں کی ضرورت ہے جو ہم کو ہر نئی حالت کے پیش آنے میں ایک نئی ہدایت کا سبق اور نئی رہنمائی کا درس دیں۔

ان افعال کے بعد جن کا تعلق اعضاء سے ہے وہ افعال ہیں جن کا تعلق دل و دماغ

سے ہے اور جن کی تعبیر ہم اعمال قلب یا جذبات اور احساسات سے کرتے ہیں ہر آن ہم ایک نئے قلبی عمل یا جذبہ احساس سے متاثر ہوتے ہیں۔ ہم کبھی راضی ہیں، کبھی ناراض، کبھی خوش ہے کبھی غمزدہ، کبھی مصائب سے دوچار اور کبھی نعمتوں سے مالامال کبھی ناکام ہوتے ہیں اور کبھی کامیاب ان سب حالتوں میں ہم مختلف جذبات کے ماتحت ہوتے ہیں۔ اخلاق فاضلہ کا تمامتر انحصار انہیں جذبات و احساسات کے اعتدال اور باقاعدگی پر ہے۔ ان سب کے لئے ہم کو ایک عملی سیرت کی حاجت ہے جس کے ہاتھ میں ہماری ان اندرونی سرکش اور بے قابو قوتوں کی باگ ہو جو انہی راستوں پر ہمارے نفس کی غیر معتدل قوتوں کو لے چلے، جن پر سے مدینہ کا بے نفس انسان کبھی گزر چکا ہے۔

عزم و استقلال، شجاعت، صبر، شکر، توکل، رضا بتقدیر، مصیبتوں کی برداشت، قربانی قناعت، استغناء، ایثار، جود، تواضع، خاکساری، مسکنت، غرض، نشیب و فراز، بلند و پست تمام اخلاقی پہلوؤں کے لئے جو مختلف انسانوں کو مختلف حالتوں میں یا ہر انسان کو مختلف صورتوں میں پیش آتے ہیں۔ ہم کو عملی ہدایت اور مثال کی ضرورت ہے۔ مگر وہ کہاں مل سکتی ہے۔ صرف محمد رسول اللہ صلعم کے پاس حضرت موسٰے کے پاس ہم کو سرگرم شجاعانہ قوتوں کا خزانہ مل سکتا ہے۔ مگر نرم اخلاق کا نہیں۔ حضرت عیسٰی کے ہاں نرم اخلاق کی بہتات ہے۔ مگر سرگرم اور خون میں حرکت پیدا کرنے والی قوتوں کا وجود نہیں۔

انسان کو اس دنیا میں ان دونوں قوتوں کی معتدل حالت میں ضرورت ہے اور ان دونوں قوتوں کی جامع اور معتدل مثالیں صرف پیغمبر اسلام کی سوانح میں مل سکتی ہیں۔

سید سلیمان ندوی (خطبات مدراس)

ولادتِ نبوی صلے اللہ علیہ وسلم

عالم انسانیت کی فضاءِ روحانی کا ایک ایسا ہی انقلاب عظیم تھا جو چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں ظاہر ہوا، وہ رحمتِ الٰہی کی بدلیوں کی ایک عالم گیر نمود تھی جس کے فیضانِ عام نے تمام کائناتِ ہستی کو سرسبزی و شادابی کی بشارت سنائی اور زمین کی خشک سالیوں اور محرومیوں

کی بدحالی کا دور ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ وہ خداوندِ قدوس جس نے بیناکی چوٹیوں پر کہا تھا کہ میں اپنی قدرت کی بدلیوں کے اندر آتشیں بجلیوں کے ساتھ آؤں گا۔ اور دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ میرے جاہ و جلالِ الٰہی کی نمود ہوگی۔ سو بالآخر وہ آگیا اور سعیر اور فاران کی چوٹیوں پر اس کے ابرِ کرم کی بوندیں پڑنے لگیں۔

یہ ہدایتِ الٰہی کی تکمیل تھی، یہ شریعتِ ربانی کے ارتقاء کا مرتبۂ آخری تھا، یہ سلسلۂ ترسیلِ رسل و نزولِ صحف کا اختتام تھا، یہ سعادتِ بشری کا آخری پیام تھا، یہ وراثتِ ارضی کی آخری بخشش تھی۔ یہ امتِ مسلمہ کے ظہور کا پہلا دن تھا۔ اور اس لئے یہ حضرت ختم المرسلین و رحمۃ للعالمین محمد بن عبداللہ کی ولادت باسعادت تھی۔ صلی اللہ علیہ و آلہ و صحبہ وسلم۔

یہی واقعۂ ولادتِ نبوی ہے۔ جو دعوتِ اسلامی کے ظہور کا پہلا دن تھا۔ اور یہی ماہِ ربیع الاوّل ہے جس میں اس امتِ مسلمہ کی بنیاد پڑی۔ جس کو تمام عالم کی ہدایت و سیادت کا منصب عطا ہونے والا تھا۔ یہ ریگستانِ حجاز کی بادشاہت کا پہلا دن نہ تھا، یہ عرب کی ترقی و عروج کے بانی کی پیدائش نہ تھی، یہ محض قوموں کی طاقتوں کا اعلان نہ تھا۔ اس میں صرف نسلوں اور ملکوں کی دعوت نہ تھی جیسا کہ ہمیشہ ہوا ہے اور جیسا کہ دنیا کی تمام تاریخ کا انتہائی سرمایہ ہے۔ بلکہ یہ تمام عالم کی ربانی بادشاہت کا یوم میلاد تھا۔ یہ تمام دنیا کی ترقی و عروج کے بانی کی پیدائش تھی۔ یہ تمام کرۂ ارضی کی سعادت کا ظہور تھا۔ یہ تمام نوعِ انسانی کے شرف و احترام کا قیامِ عام تھا۔ یہ انسانوں کی بادشاہتوں، قوموں کی بڑائیوں اور ملکوں کی فتوحات کا نہیں بلکہ خدا کی ایک ہی اور عالم گیر بادشاہت کے عرشِ جلال و جبروت کی آخری اور دائمی نمود تھی۔

پس یہی دن سب سے بڑا ہے کیونکہ اسی دن کے اندر دنیا کی سب سے بڑی بڑائی ظاہر ہوئی۔ اس کی یاد نہ تو قوموں سے وابستہ ہے اور نہ نسلوں سے، بلکہ وہ تمام کرۂ ارضی کی ایک عام اور مشترکہ عظمت ہے۔ جس کو وہ اس وقت تک نہیں بھلا سکتی جب تک کہ اس کو سچائی اور نیکی کی ضرورت ہے اور جب تک کہ اس کی زمین اپنی زندگی اور بقاء کے لئے عدالت اور صداقت کی محتاج ہے۔

(مقالاتِ ابوالکلام آزاد)